ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

مستنصر حسین تارڑ کی ترجمہ نگاری

MUSTANSAR HUSSAIN TARAR AS A TRANSLATOR

*عاصم علی
**تہمینہ رفیق

ABSTRACT:

Mustansar Hussain Tarar is a Pakistani writer and well-known name in he contemporary Urdu literature. He has marvelous contribution in writhing travelogue. Beside, travelogue writing he has a great contribution in writing columns, novels, dramas, fictions, sketch writing and translation. This article covers the translation work of Mustansar Hussain Tarar.

کلیدی الفاظ: مستنصر حسین تارڑ، انگریزی شاعری، بین الاقوامی شعرا، پاکستانی خواتین شاعرات، اردو تراجم

ترجمے کی اہمیت کسی بھی زبان کے ابتدائی دور میں مزید بڑھ جاتی ہے جب ترجمے سے ایک زبان کے خیالات، معانی، اظہار بیان اور اسلوب دوسری زبان میں ڈھل رہے ہوتے ہیں۔ ضروری ہے کہ مترجمہ زبان میں اصل زبان کا عکس دکھائی دے۔ مصنف اپنی تحریر کو بعض اوقات کسی دوسری زبان کی تحریر سے اخذ کرتا ہے۔ وہ لفظی یا بامحاورہ ترجمہ ہی نہیں کرتا بل کہ وہ اصل تحریر کے بنیادی خیال کو موضوع بنا کر اپنے پس منظر میں ڈھال دیتا ہے۔ ترجمے کے دوران اصل تحریر سے اخذ واستفادہ کرتے ہوئے مصنف کا اندازِ بیان، اظہار خیال اور اسلوب تو اپنا ہوتا ہے لیکن ترجمہ شدہ بنیادی کہانی، خیال کسی دوسرے مصنف کا ہی ہوتا ہے۔ ہر دور میں ترجمہ زبان کی اہم ضرورت رہا ہے کیوں کہ ترجمہ کے عمل سے مختلف زبانوں، ثقافتوں اور قوموں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع ملتا ہے۔ ان کے درمیان حائل اجنبیت کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور زبان میں نئے خیالات، نئے امکانات اور الفاظ شامل ہونے سے زبان میں ترقی اور پھیلاؤ کا عمل تیز تر ہو جاتا ہے۔ ترجمے ہی کی بدولت نت نئے الفاظ، خیال اور موضوعات بھی مترجمہ زبان کا حصہ بن جاتے ہیں۔ مرزا حامد بیگ "ترجمہ فن اور روایت" میں ترجمہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"کسی تحریر، تصنیف یا تالیف کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل ترجمہ کہلاتا ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ترجمہ کسی متن کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے اس کی تعبیر کرتا ہے یعنی ترجمے کا عمل ایک عملی یا ادبی پیکر کو دوسرے پیکر میں ڈھالنے کا عمل ہے۔"(1)

اردو میں ترجمہ نگاری کی ابتدا مذہبی صحائف (ابتدا بائبل سے ترجمے سے) ہوئی۔ اردو نثر کی ترویج ابتدائی طور پر عربی، فارسی، انگریزی اور سنسکرت زبانوں کی رہین منت ہے۔ اردو میں ملا وجہی کی سب رس، میر امن دہلوی کی باغ و بہار اور سجاد حیدر یلدرم کے متعدد افسانے اس کی مثالیں ہیں۔ ترجمے کی روایت کو مضبوط کرنے میں فورٹ ولیم کالج کے مصنفین، دہلی کالج، انجمن پنجاب، سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور، انجمن ترقی اردو، دارالمصنفین اعظم گڑھ اور دارالترجمہ عثمانیہ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ انیسویں صدی میں افسانوی ادب کے تراجم میں رتن ناتھ سرشار، مرزا ہادی رسوا، ڈپٹی نذیر احمد اور عبدالحلیم شرر کے نام نمایاں ہیں۔ ادبی و غیر ادبی تراجم کے ذریعے ذخیرہ ادب میں وسعت اور سرمایہ زبان اردو میں اضافہ صحیح معنوں میں بیسویں صدی میں ہوا۔ روسی ادیبوں کی کتب کے تراجم ۱۹۳۰ء تک کیے جاچکے تھے۔ انھی تراجم کی وجہ سے ترقی پسند تحریک کو رواج ملا اور کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، غلام عباس، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی اور احمد ندیم قاسمی جیسے ترقی پسند ادیبوں نے مغرب سے افسانوی ادب کو اردو میں منتقل کیا اور حسن عسکری، انتظار حسین، عبدالمجید سالک، ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر اور سلیم الرحمن نے قیام پاکستان کے بعد بھی ترجمے کی روایت کو جاری رکھا۔

مستنصر حسین تارڑ نے بھی اس صنف ادب میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی کوئی باقاعدہ ترجمہ شدہ تصنیف سامنے نہیں آئی بل کہ انھوں نے اپنی تخلیقات میں ضرورت کے تحت نظم و نثر کے ترجمے کیے ہیں جس سے ان کے فن ترجمہ نگاری کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے انگریزی زبان سے براہ راست ترجمے کیے ہیں۔ انھوں نے سادہ، سلیس اور عام فہم الفاظ میں مصنف کے خیالات کو قاری کے فہم و ادراک کے مطابق ترجمہ کیا ہے تاکہ عبارت کی تفہیم میں آسانی ہو۔ مستنصر حسین تارڑ اپنے فن ترجمہ نگاری کے حوالے سے انٹرویو میں بتایا:

"میں اپنی تخلیقات کے لیے تراجم خود کرتا رہتا ہوں، لیکن میں کوئی پیشہ ور مترجم نہیں ہوں۔ میں تراجم کو سنوارنے اور اس پر عمدہ زبان لکھنے پر یقین نہیں رکھتا بل کہ میرے سامنے جو بھی تحریر آتی ہے، میں اس کا براہ راست ترجمہ کر دیتا ہوں۔ مثلاً میں اگر "Cold winds" کا ترجمہ کروں تو "سرد ہوائیں" لکھوں گا نہ کہ "یخ بستہ ہوائیں"۔(2)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

ترجمے کا بنیادی منشا ہی اصل خیال اور مفہوم کی ادائی ہے اور اسی منشا کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے سادہ الفاظ میں خیال کو براہ راست منتقل کر دیا ہے۔ انگریزی زبان میں مہارت کی وجہ سے انھوں نے ترجمہ کرتے ہوئے بنیادی خیال کو سامنے رکھا ہے اور ترجمے کو الجھنے، خیال کو منتشر اور مفہوم کو بدلنے نہیں ہونے دیا۔ روسی ادیب رسول حمزہ توف سے ان کو خاص عقیدت تھی اسلام آباد میں ایک ادبی کانفرس کے دوران ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی۔ اس کا ذکر انھوں نے اپنے کالم "رسول حمزہ توف۔۔۔ کہیں بلند پہاڑوں میں مر گیا ہے" اور "میرا داغستان" کے دیباچہ میں کیا۔ رسول حمزہ نے ان سے اپنی نظم جس کا بعنوان تھا "اے عورت" کو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کہا تا کہ حاضرین کو سمجھ آسکے تو انھوں نے وہ نظم تقریباً پندرہ منٹ میں ترجمہ کر دی۔ مستنصر حسین تارڑ "میرا داغستان" میں لکھتے ہیں:

"کانفرنس کا وہ پہلا دن تھا اور لوگ جس طرح سے مجھے مل رہے تھے، انھیں کچھ اندازہ ہوا کہ یہ بھی ادیبوں میں کوئی لکھنے پڑھنے والا کوئی پسندیدہ لکھاری ہے۔ اس دوران انھوں نے مجھ سے ایک فرمائش کی کہ تم میری کوئی نظم اردو میں ترجمہ کر دو، مجھے کل کانفرس میں تقریر کرنی ہے۔ میں نے کہا کہ اس سے بڑی میری خوش قسمتی اور کیا ہو گی! میں سمجھتا ہوں کہ آپ فیض صاحب کے ہی بھائی ہیں، ہم پلہ ہیں شاعری میں۔ انھوں نے مجھے ایک نظم دی جو انگریزی میں تھی، جس کا نام "اے عورت!"۔ میں نے وہ ترجمہ کر دی۔"(3)

مستنصر حسین تارڑ کی ترجمہ شدہ یہ نظم مجموعہ تارڑ نامہ اکے کالم "رسول حمزہ توف۔۔۔ کہیں بلند پہاڑوں میں مر گیا ہے" اور ان کے سفر نامہ "یاک سرائے" میں "محبت" کے عنوان کے تحت شامل ہے۔ اس نظم سے ان کے فن ترجمہ نگاری کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے انگریزی سے براہ راست ترجمہ کرتے ہوئے خیال کی ترسیل کو نہایت آسان بنا دیا ہے۔ انھوں نے عام فہم الفاظ سے سہل، سادہ اور سلیس ترجمہ کیا ہے نہ کہ مشکل الفاظ کے استعمال سے زبان پر اپنی مہارت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ قاری بجائے مشکل الفاظ میں الجھنے کے ترجمہ کے مفہوم تک پہنچ جاتا ہے۔ اس نظم کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

"عورت۔۔۔۔۔
اگر ایک ہزار مرد تمھاری محبت میں مبتلا ہوں تو۔۔۔
یقیناً رسول حمزہ توف ان میں سے ایک ہو گا۔۔۔
اور اگر سو مرد تمھاری چاہت میں گرفتار ہیں تو۔۔
رسول حمزہ توف۔۔۔ ان میں۔۔ ظاہر ہے شامل ہو گا۔
اور اگر دس مرد تمھاری محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں تو۔۔۔
یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول حمزہ توف ان میں سے ایک نہ ہو۔۔۔
اور اگر۔۔۔۔
صرف ایک مرد تمھاری محبت میں مبتلا ہے۔۔
تو وہ رسول حمزہ توف کے سوا اور کون ہو گا۔۔۔
لیکن! اے عورت۔۔۔
اگر تم تنہا ہو۔۔۔ اکیلی ہو
اور کوئی بھی تمھاری محبت میں مبتلا نہیں ہے۔۔
تو یقین کر لینا کہ
کہیں بلند پہاڑوں میں۔۔۔ رسول حمزہ توف۔۔ مر گیا ہے۔۔۔"(4)

ترجمہ نگاری کے لیے انھیں کوئی زیادہ محنت بھی نہیں کرنی پڑی کیوں کہ وہ ایک زبان کے الفاظ کو دوسری زبان میں بڑی سہولت سے منتقل کر دیتے ہیں۔ مترجمین اکثر و بیش تر شہرت یافتہ کتاب کا ترجمہ کر کے مشہور ہونے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ان کے سہارے مترجم کو شہرت مل جائے جب کہ مستنصر کا معاملہ ان مترجمین کے برعکس ہے۔ انھوں نے ایسے شعرا کا کلام اپنے قارئین کے لیے ترجمہ کیا ہے جن سے وہ پہلے مکمل طور پر ناواقف تھے۔ انھوں نے ترجمہ کرتے ہوئے قاری کا امتحان نہیں لیا بل کہ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

سیدھاسادہ سہل، شگفتہ اور شائستہ ترجمہ کر دیا ہے تا کہ اصل متن کے خیال کا حسن بر قرار رہ سکے اور قاری اس سے محظوظ ہو۔ مستنصر حسین تارڑ کے چھوٹے بیٹے سمیر نے امریکا کی "کارنیل یونیورسٹی" سے اپنی گریجوایشن مکمل کی۔ کانووکیشن کے موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس تقریر کا اردو ترجمہ، انھوں نے مجموعہ "تارڑ نامہ ۲ " کے کالم "کارنیل یونیورسٹی کا کانووکیشن اور علم و دانش کے جزیرے" میں یہ تقریر اپنے قارئین کے ذوق مطالعہ کے لیے ترجمہ کی۔ آخری حصے میں "کانسٹنٹائن" کی یونانی نظم جو یونانی جزیرے "ایتھکا" کے بارے میں ہے مستنصر حسین تارڑ نے اس نظم کا بھی ترجمہ کیا۔ ملاحظہ کیجیے:

"اسے کارنیل ایسی مشہور عالم یونیورسٹی کے سٹیج پر تقریر کرتے دیکھ کر مجھے وہ دن یاد آگیا جب میں اسے پہلے دن کیتھڈرل سکول لے کر گیا تھا اور میری آنکھوں میں نمی آگئی۔۔ میں یہاں سمیر کی تقریر کا اردو ترجمہ درج کرنا چاہتا ہوں۔

پیارے کارنیل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک افیئرز کے رفیقو!

السلام علیکم۔۔ آپ سب پر سلامتی ہو۔۔

میں نے اگست ۲۰۰۸ء میں ساٹھ ہزار پینتالیس میل کا طویل سفر اپنے گھر پاکستان سے طے کیا اور یہاں کارنیل پہنچا تا کہ میں یہاں ایک اور گھر میں آپ کے ساتھ زندگی بسر کر سکوں۔۔ اور آج دو برس کے بعد اتنا ہی طویل سفر کر کے میں واپس اپنے گھر جا رہا ہوں۔۔ لیکن میں تنہا نہیں جا رہا۔۔۔ میں اپنے ہمراہ یہاں گزارے ہوئے پر بہار لمحوں کی خوب صورت یادیں لے کر جا رہا ہوں۔۔۔۔ اور آخر میں یونانی نظم کے کچھ حصے پیش کرنا چاہتا ہوں۔۔

ایتھکا تمھاری جھولی جواہرات سے بھر دے گا۔۔

کیوں کہ یہ ایتھکا ہے جس نے تمھیں یہ خوب صورت سفر اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

یہ نہ ہوتا تو تم کبھی سفر پر مائل نہ ہوتے

اس خواہش سفر کے سوا ایتھکا تمھیں اور کچھ نہیں دے سکتا

اور اگر تم اسے تہی دامن پاؤ تو ایتھکا نے تم سے فریب نہیں کیا

اتنے وسیع سفری تجربے سے تم اتنے دانش مند ہو چکے ہو گے

جان چکے ہو گے کہ یہ ایتھکا کیا ہوتے ہیں!

ہم کارنیل کے ایتھکا میں پہنچ چکے۔۔ علم اور تجربہ حاصل کر چکے۔۔ آیئے اب ایک بار پھر سفر اختیار کریں کسی نئے ایتھکا کی تلاش میں!"(5)

محمود درویش کو قومی شاعر قرار دیتے ہیں۔ محمود درویش کا شمار فیض احمد فیض کے دوستوں میں سے ایک تھے۔ محمود درویش کی فلسطینیوں کے لیے کاوش کی بنا پر مستنصر کو ان سے دلی لگاؤ تھا۔ انھوں نے ان کی شعری تصنیف "یادوں کے چراغ" کو بغور پڑھا اور اپنی تحریروں میں اکثر مقامات پر اپنے قارئین کے لیے ان کے کلام کے تراجم بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ کالم "محمود درویش کی یادوں کے چراغ" میں ان کے کلام کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"حذر کرو اور بچو

اس برق سے جو میرے نغمے سنگ خارا میں بھر دیتے ہیں

میں جوانوں کا سنگار اور سواروں میں شہسوار ہوں، میں بتوں کو پاش پاش کرتا ہوں

میں شام کی سرحدوں پر ایسی نظمیں بوتا ہوں، جو عقابوں کو آزاد کر دیتی ہیں

اور میں نے تمھارا نام لے کر دشمنوں کو پکارا!

اور جب میں سو جاؤں تو اے کیڑو! میرا گوشت کھا جانا۔

کہ چیونٹی کے انڈوں سے باز پیدا نہیں ہوتے۔"(6)

مستنصر حسین تارڑ "والٹ وہٹ مین" کی شاعری سے خاصے متاثر ہیں اور ادبی تحریروں میں اس کا تذکرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ امریکا میں قیام کے دوران نیویارک میں شاہد چغتائی کے ہمراہ لونگ آئے لینڈ سے واپس آتے ہوئے انھیں ایک سٹریٹ سائن دکھائی دیا جس پر "والٹ وہٹ مین سٹریٹ" لکھا تھا۔ امریکا سے واپسی پر

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

انھوں نے "والٹ وہٹ مین" کی وجہ شہرت تصنیف "لیوز آف گراس" سے نظم کا ترجمہ اپنے قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر کیا۔ والٹ وہٹ مین کی "لیوز آف گراس" کے عنوان سے ایک کالم میں لکھتے ہیں:

"چناں چہ میں آپ کو والٹ وہٹ مین کی شاعری میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔۔ میں ایک تجربہ کار مترجم تو نہیں اس لیے والٹ وہٹ مین کی "لیوز آف گراس" کی جو بھی نظم سامنے آتی ہے میں اس کا آزاد اور براہ راست ترجمہ کرنا چاہتا ہوں۔ نوک پلک آپ سنوار لیجیے گا۔۔۔ والٹ وہٹ مین نے یہ نظم "میں ایک پر ہجوم شہر میں سے گزرا" صرف میرے لیے کہی تھی اسی لیے یہ میری پسندیدہ ہے۔۔

"میں ایک مرتبہ ایک پر ہجوم شہر میں سے گزرا تھا
اپنی یادداشت پر نقش کرتا اس کا طرز تعمیر، رسوم، روایات، محفلیں
لیکن اب۔۔ اس شہر کی یادداشت میں کچھ اور باقی نہیں ہے
سوائے ایک عورت کے
ایک عورت جو مجھے اس شہر میں سر راہ ملی تھی اور
اس نے مجھے روک لیا تھا
کیوں کہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔۔۔
میں ایک مرتبہ ایک پر ہجوم شہر میں سے گزرا تھا۔"(7)

خشونت سنگھ جن کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے ان کی شادی میں شرکت کی قائد ان کے والد ان کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ انھوں نے کئی مشہور ناول لکھے، ان کے ناول "ٹرین ٹو پاکستان" کو ۱۹۵۴ء میں گروو پریس ایوارڈ سے نوازا گیا۔ مستنصر نے جب ادیبوں کے ایک وفد کے ہم راہ بھارت کا دورہ کیا۔ دورے کے دوران انھیں خشونت سنگھ کی طرف سے کھانے پر مدعو کیا گیا لیکن واپسی کا وقت طے ہونے کی وجہ سے ان سے ملاقات کا واحد موقع ضائع ہو گیا۔ مستنصر پھر عمر بھر ان سے مل نہ سکے جس کا انھیں بے حد افسوس ہے۔ خشونت سنگھ نے ننانوے سال کی عمر پائی، مستنصر حسین تارڑ نے ان کی وفات کے موقع پر کالم "خشونت سنگھ، تم جہاں بھی ہو خوش رہو" کے عنوان سے تحریر کیا جس میں انھوں نے خشونت سنگھ کے کتبہ کی تحریر کا اردو ترجمہ کیا:

"خشونت سنگھ بابا تم اب جہاں بھی ہو خوش رہو کہ تم نے خلق خدا کو خوشی دی اور اگر نہیں ہو تو بھی لودھی گارڈن کے آتش کدے میں جلائے جانے کے بعد جو تمھاری راکھ ہے وہ بھی خوش رہے۔۔۔ اور یہ راکھ جہاں دفن ہو گی اس کا کتبہ خشونت سنگھ نے سعادت حسن منٹو کی مانند پہلے سے لکھ رکھا تھا اور یہ اس کا آزاد اردو ترجمہ ہے۔

"یہاں وہ شخص دفن ہے جس نے نہ انسان کو بخشا اور نہ خدا کو
اس کے لیے اپنے آنسو مت ضائع کرو کہ وہ ایک اخلاق باختہ
گھاس کا ٹکڑا تھا۔
بیہودہ تحریریں لکھتا تھا جن کو وہ مزاح سمجھتا تھا
خدا کا شکر ادا کرو کہ وہ مر گیا ہے، وہ واہیات شخص"
خشونت سنگھ کی مغفرت تو کہاں ہونی ہے۔۔۔ لیکن، عجب آزاد مرد تھا۔"(8)

پاکستانی انگریزی شاعرات جنھوں نے انگریزی شاعری میں نام پیدا کیا۔ ڈاکٹر فرحت شاہ، ڈاکٹر نازش انیس اور ڈاکٹر تزئین انیس ان خواتین کی شاعری کو ٹی ایس ایلیٹ اور تروواکے ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ یہ تینوں خواتین گم نامی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ مستنصر کے دیرینہ دوست ڈاکٹر انیس احمد جو ایک بے مثل شاعر ہونے کے باوجود گم نامی اختیار کیے اور لاہور کے ہسپتالوں میں بڑے عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ ان کی ناتواں اور مخدوش صحت کی حامل ڈاکٹر بیٹی تزئین انیس جس کے جینز میں والد کی مانند گم نام رہنے کی خصلت موجود ہے۔ ان کی انگریزی شاعری زبان و بیان سے قاری کو مسخر کر لیتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے ان کی دو انگریزی نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔ ایک نظم

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

کا ترجمہ کالم "گھوڑے اور بچے جنگ نہیں کرتے" میں شامل ہے جو ایک شامی بچے کی روداد ہے۔ڈاکٹر تزئین انیس کی دوسری نظم "احد تمیمی" ایک فلسطینی لڑکی کے بارے میں جو اسرائیلی فوج کے ہاتھوں ماری گئی۔ "سنہری بالوں والی، احد تمیمی اور تزئین انیس "کالم میں مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں:

احد تمیمی تمھارے بچھڑے ہوئے فلسطین کے بارے میں بے شک محمود درویش اور نزار طبانی نے شاہ کار شاعری کی ہے لیکن ذرا دیکھو کہ ایک پاکستانی لڑکی، ایک ڈاکٹر لڑکی نے تمھارے بارے میں کیسی پر اثر شاعری کی ہے۔ بے شک تمھارے سنہری بالیوں میں آئندہ برسوں میں گندھے ہوئے پھوٹتے رہیں گے لیکن ذرا دیکھو تزئین انیس نے کیا تمہاری شان میں امراؤالقیس سے بڑھ کر ایک قصیدہ نہیں لکھا۔۔۔

میں تم سب کے سامنے اعلان کرتی ہوں
میں تمھارے ظلم و ستم کے سامنے سینہ تان کر کھڑی ہوں
تمھاری زنجیریں میرے ہاتھوں کو جکڑ نہیں سکتیں
تمھاری کمینگی میری آواز کو خاموش نہیں کر سکتی
میں تمھیں فخر سے بتاتی ہوں کہ
میں کوئی عام سی گلیوں والی لڑکی نہیں ہوں
میں احد تمیمی ہوں۔۔۔ تمھاری موت کا پروانہ "(9)

پاکستان، پشاور آرمی پبلک سکول حملے میں شہید ہونے والے بچوں کے لیے جب سکول جانے کے لیے ان کی مائیں انھیں تیار کر رہی تھیں۔ اپنی انگریزی نظم میں ڈاکٹر تزئین انیس لکھتی ہے جس کا ترجمہ مستنصر یوں کرتے ہیں:

"ماں، مجھے آراستہ کرو، کپڑے پہناؤ۔۔۔ جیسے یہ آخری بار ہے
مجھے سنوار دو کیوں کہ مجھے ایک طویل اور نامعلوم سفر پر جانا ہے
میری یونیفارم کے بٹن اور بکسوئے ایسے بند کرو، جیسے یہ آخری بار ہے
میں بہت بانکا اور سجیلا لگنا چاہتا ہوں
مجھے آخری دودھ پلا دو ماں
میری آخری چاکلیٹ کھلا دو، اور کینڈی، جس کا ذائقہ میری جان ہے، وہ بھی کھلا دو
اور ساحلوں پر جتنے بھی سنگریزے بکھرے پڑے ہیں
وہ میری جیبوں میں بھر دو، میں ان سے کھیلوں گا۔۔۔
روؤ مت ماں! مجھے الوداع کہو
کیوں کہ، میں آخری بار مسکرانا چاہتا ہوں۔"(10)

ڈاکٹر فرحت شاہ جنھیں ادب سے خاص لگاؤ ہے اور وہ بھی تارڑ کی تحریروں کی اسیر ہیں۔ان دنوں کینیڈا میں اپنے خاوند اور بچوں کے ہم راہ مقیم ہیں اور شاعری بھی اکثر مستنصر کی تحریروں کے حوالے سے کرتی ہیں۔انھوں نے دو انگریزی نظمیں جو خاص طور پر مستنصر کے نام لکھیں اور خط کے ذریعے انھیں بھیجیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے ان کی دونوں نظموں کا ترجمہ "دو نظمیں" کے عنوان مع مصنفہ کا تعارف رسالہ "سویرا" کے شمار نمبر ۸۹ جو ۲۰۰۸ء میں شائع کرائیں۔ڈاکٹر فرحت اپنے خط میں جو ان نظموں کے شروع میں شامل ہے اس خط سے فرحت شاہ کی تارڑ تحریروں سے محبت کا اظہار دکھائی دیتا ہے۔وہ لکھتی ہیں:

"پیارے دوست!
یہ دو نظمیں تمھارے لیے ہیں۔ یہ بہتی ہوئی سوچ میں سے چرائے ہوئے زمانے کے کچھ لمحے ہیں جو میرے دل اور مسرت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اگر یہ تمھیں بھی تھوڑی سی خوشی سے ہم کنار کر دیں تو ان نظموں کے کہنے کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ تمھاری اثر انگیز تحریر کو پڑھنا، مسرت کی آخری حدوں کو چھو لینا ہے۔ تمھاری کتابوں کے حرف صرف

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

میرے لیے رقص کرتے ہیں، وہ ایسے گیت گاتے ہیں جو میرے بدن کے اندر سرایت کر کے اسے مست کر دیتے ہیں۔ ورق زندہ ہو جاتے ہیں اور وہ میرے خوابوں کی دھند میں بدل جاتے ہیں۔ تمھارا ہر حرف ایک کردار، ایک شکل کا روپ اختیار کر لیتا ہے جس کی شباہت میری آنکھوں میں اتر جاتی ہے اور پھر میں ان تمام حرفوں، تمام کرداروں میں سے کسی ایک کا چناؤ کرتی ہوں اور اسے اپنے ساتھ ایک گھنے اور طلسم خیز جنگل میں لے جاتی ہوں اور جب میں جنگل میں اترتی ہوں، تمھارے حرف کے ساتھ، ایک کردار کے ساتھ تو ہم لاکھوں باتیں کرتے ہیں، کبھی ہنستے ہیں اور کبھی کسی پودوں میں پوشیدہ ندی کے کنارے بیٹھ کر پانیوں کے بہاؤ کی ہنسی سنتے ہیں، اور پھر شام ہو جاتی ہے۔ اس لیے، اے دوست تم لکھتے چلے جاؤ کہ صرف میں نہیں اس دنیا میں ہزاروں لاکھوں لوگ ہیں جو تمہارے حرفوں کے ہم راہ مسرت کے جنگلوں میں اترتے ہیں، زندگی کی دھڑکن تمہاری تحریر سے کشید کرتے اسے ایک مئے لالہ فام کی مانند پیتے ہیں۔

دور دراز کے دیس میں رہنے والی تمھاری شیدائی۔"(11)

ڈاکٹر فرحت ہمہ وقت مطالعہ میں مشغول رہتی ہیں۔ کوئٹہ سے تعلق رکھنے والی فرحت شاہ نے امریکا سے انتھروپولوجی میں ڈگری حاصل کی اور مانسہرہ میں کینیڈا کے تعاون سے لڑکیوں کی تعلیم کے بین الاقومی معیار کے متعدد سکول قائم کیے لیکن دہشت گردوں کے ہاتھوں سکول جلائے جانے کے بعد وہ اپنے خاوند اور بچوں کے ہم راہ کینیڈا مستقل طور پر منتقل ہو گئیں۔ ادب سے لگاؤ اور خاص طور پر مستنصر کی تحریروں سے دیوانگی کی حد تک محبت کی بنا پر ہر وقت ان کے زیر مطالعہ کوئی نہ کوئی کتاب ضرور رہتی ہے۔ مستنصر اپنے مضمون "دو نظمیں" میں ڈاکٹر فرحت شاہ کے ذوق مطالعہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر فرحت شاہ، جنھیں ان کے دوست "فر" کے نام سے جانتے ہیں۔ "فر" بین الاقوامی ادب اور خصوصی طور پر اردو ادب کی "حافظ" ہیں۔ انھیں کبھی کسی نے کتاب کے بغیر نہیں دیکھا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ایسی کثیر المطالعہ اور حساس خاتون کسی نہ کسی صورت اپنی ذات کا اظہار نہ کرے۔ وہ ایک مدت سے اپنے دوستوں کے لیے اور مانسہرہ کی اس پہاڑی سے نظر آنے والے مناظر، جہاں ان کا گھر تھا، انگریزی میں نظم تحریر کرتی رہی ہیں۔ اور وہ اپنی ان نظموں کی تشہیر سے اجتناب کرتی چلی آئی ہیں کہ یہ سراسر ذاتی محبتیں ہیں جن کی نمائش کی انھیں کچھ چاہت نہیں۔ لیکن۔۔۔ ان کا اپنا اقرار ہے کہ یہ نظمیں انھوں نے میرے لیے لکھی ہیں اس لیے یہ ان کی ملکیت نہیں رہیں۔ وہ بے شک مجھے مطعون کریں لیکن میں ان کی تشہیر کرنا چاہتا ہوں کہ ہم قافیے ردیف کی پابند میکانکی شاعری سے تنگ نہیں آ گئے جس میں لفظوں کی جادوگری اور ہم آہنگی تو ہوتی ہے پر روح نہیں ہوتی۔ قدرت کلام تو ہوتی ہے پر ندرت کلام مفقود ہوتی ہے۔۔۔ قافیے ردیف کی مکھی پہ مکھی مارتے چلے جاتے ہیں۔

براہ کرم "فر" کی شاعری کو ان پیمانوں پر نہ پرکھیے گا۔

انگریزی سے اردو میں منتقل کرتے ہوئے جتنے سقم ہیں وہ سب میرے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ "فر" مجھ سے بہت خفا ہو گی کہ میں نے اس کے ذاتی اظہار اور جذبات کی تشہیر کر دی لیکن قصور اس کا ہے کہ اس نے ان نظموں کی ملکیت میرے نام کر دی تھی۔"(12)

مستنصر نے مذکور بالا مضمون میں ڈاکٹر فرحت شاہ کی ان کے نام دو نظموں کو ترجمہ کر کے قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر کیا ہے۔ پہلی نظم "چنبیلی کے پھول" جو کہ مختصر ہے۔ انھوں نے اپنے روایتی انداز میں سادہ اور آزاد ترجمہ کیا ہے۔ جو یوں ہے:

"سنہری سورج رو پہلی برف پر
مجھے اپنی کرنوں کے بے انت ہاتھوں سے چھوتا ہوا
دور جنگل کے اندر ایک اور جنگل میں،
ہریاول بھری زمین کے اوپر
ہوا، قدیم گیت الاپتی ہے
زندگی کی حدت میں
جسے انبساط کی کیفیت نے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔۔۔
میں نے پانیوں میں ایک ڈور پھینکی
تاکہ ایک یاد کو شکار کر سکوں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

چنبیلی کے پھولوں کا ایک گجرا،
جھمکتے، ٹمٹماتے، شب کی آخری زرد کرنوں میں دمکتے
وہ پھول، یوں بہ گئے کہ میں انھیں اپنی آغوش میں نہ لے سکی
ایک چھوٹا سا ٹمٹماتا ستارہ۔ ہوا میں جھولتا ہوا
مجھے دیکھ کر مسکراتا اور بجھ گیا۔"(13)

ڈاکٹر فرحت شاہ کی دوسری نظم "کونج" جو ایک طویل نظم ہے اس نظم کے آخری بند پیش ہیں تاکہ ان سے مستنصر کے فن ترجمہ نگاری کا انداز کیا جاسکے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

"بہاروں کے رنگوں میں رنگی ہوئی ایک برفانی رات میں
ان کے پروں کی مدھم سرسراہٹ میرے کانوں میں اتری
وہ واپس آگئی
سرد ہوا میں لپٹی میں اپنے گرم بستر سے نکل کر بے اختیار باہر آگئی
اور وہ وہاں تھیں
میرے کمرے کے عین اوپر آسمان پر اڑان کرتیں۔ اپنے گیت اس شناسا دھن میں گاتیں
سازوں کی وہی مترجم گونج اور وہی راگ
اس شب میں نے پھر ایک خواب دیکھا
خوب میں دیکھا کہ میں ان کونجوں کے سنگ اڑی جاتی ہوں، ان کی سنگت میں گیت گاتی اڑتی جاتی ہوں
میں نے پھر سے اپنے قبیلے کو دریافت کر لیا تھا
میں پھر سے ایک کونج ہو چکی تھی!"(14)

ترجمے کا اصل مقصد و منشا خیال اور مفہوم کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے۔ مترجم کو اس منشا کو پورا کرنے کے لیے زبان و بیان کا علم ہونا ضروری ہے۔ مترجم جس زبان سے ترجمہ کر رہا ہو اس زبان کی اصطلاحات، محاوروں اور ادبیات سے واقفیت کے ساتھ اس کا نکھرا ہوا ذوق ترجمے کو چمکا دیتا ہے۔ مترجم کے زبان کا علم کتابی نہیں بل کہ اس زبان پر ماہرانہ عبور ہو تو اصل عبارت کو بے تکلف اور بے تکان ترجمہ کر سکے گا۔ ترجمہ کو حتی الامکان عام فہم ہونا چاہیے اس کے بغیر ترجمے کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ترجمے کی زبان عام فہم ہو جو عام قاری بھی با آسانی سمجھ سکے۔

مستنصر حسین تارڑ کا انگریزی ادبیات کا مطالعہ بہت وسیع ہے اس کے باعث انھیں زبان و بیان پر مکمل عبور حاصل ہے۔ ترجمے کے معاملے میں وہ نہایت پختہ کار ہیں۔ انھوں نے پوری توجہ اور دل لگی سے نظم و نثر کا مفہوم سادہ، سہل، شائستہ، شگفتہ اور عام فہم الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ قافیہ و ردیف کے سلسلے میں ترجمے کو الجھاتے نہیں ہیں بل کہ جس تحریر کا ترجمہ مقصود ہوتا ہے اس کو پڑھ کر ان کے ذہن میں جو پہلا خاکہ ابھرتا ہے اس کو سیدھے سادے انداز میں تحریر کر دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے تراجم میں اصل متن کو منشائے مصنف کے عین مطابق عبارت کو اردو زبان میں منتقل کر دیا ہے۔ ان کے تراجم سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ مصنف کے مفہوم کو قاری تک پہنچانے میں کامیاب رہے ہیں۔ مستنصر کے تراجم ان کے روایتی ادبی اسلوب کے علم بردار ہیں۔ ان کے ترجمے میں بھی رنگا رنگی، ادبی چاشنی، شگفتگی، شائستگی اور دل کشی کا اظہار موجود ہے۔ ترجمہ نگاری کے لیے ان کا سلوب بیان سادہ، پر تکلف اور ہلکا پھلکا ہے جو ان کو اظہار خیال کی ادائی کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ زبان کی شستگی اور اسلوب کی روانی کے باعث ابلاغ میں بہاؤ کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ انھوں نے زبان کی سادگی، خیال کی پختگی اور اصل مفہوم کی ترسیل سے ترجمے کو مزید علمی اور ادبی شان عطا کی ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

حوالہ جات:

1۔ حامد بیگ، مرزا، ترجمے کا فن اور روایت، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵
2۔ مستنصر حسین تارڑ انٹرویو ماڈل ٹاؤن پارک
3۔ رسول حمزہ توف، میرا داغستان، ص ۴۷
4۔ تارڑ، مستنصر حسین: ''تارڑ نامہ ۲'' لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۴۳۵
5۔ تارڑ، مستنصر حسین: ''تارڑ نامہ ۲'' لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۲۸۴
6۔ تارڑ، مستنصر حسین: ''تارڑ نامہ ۴'' لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۱۵۲
7۔ تارڑ، مستنصر حسین، تارڑ نامہ ۵، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۱۸۰، ۱۷۸
8۔ تارڑ، مستنصر حسین، تارڑ نامہ ۶، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۱۰۸
9۔ تارڑ، مستنصر حسین، تارڑ نامہ ۷، ص ۱۰۹۔ ۱۱۰
10۔ تارڑ، مستنصر حسین، تارڑ نامہ ۷، ص ۱۱۴۔ ۱۱۵
11۔ تارڑ، مستنصر حسین، سویرا، مشمولہ مضمون، دو نظمیں، لاہور؛ قوسین، فیصل ٹاؤن، ۲۰۰۸ء، ص ۲۵۱
12۔ تارڑ، مستنصر حسین، سویرا، مشمولہ مضمون، دو نظمیں، ص ۲۸۵
13۔ تارڑ، مستنصر حسین، سویرا، مشمولہ مضمون، دو نظمیں، ص ۲۵۲
14۔ تارڑ، مستنصر حسین، سویرا، مشمولہ مضمون، دو نظمیں، ۲۵۷